روزنامہ اُڑان جموں

نماز کی پابندی_اہمیت وفضیلت

افتخار احمد قادری

نماز تمام تر عبادتوں میں سب سے اہم درجہ رکھتی ہے- اس کی ادائیگی کے لیے خود خلاق کائنات نے بار بار تاکید فرمائی ہے- اور نماز ادا کرنے کا حکم دیا- نیز اس کے ترک پر وعیدیں بھی سنائیں تاکہ خوف خدا کی بنیاد پر آدمی عبادت کی جانب رجوع کرے اور اپنے رب کی سب سے محبوب اور اہم عبادت کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے- اگر آدمی اس کی پابندی کرتا ہے تو اسے بیشمار دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں کیونکہ پانچ وقت کی نماز کی پابندی سے اگر ایک طرف اس کا دل گناہوں کی کثافت سے صاف وستھرا ہوتا ہے تو دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوجاتی ہے- کیونکہ آقائے دوجہاں مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والا یقیناً مقبول بارگاہ رسالت ہوگا اور اگر نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ انسان تلاوتِ قرآن مجید کا بھی پابند ہوجائے تو پھر کیا پوچھنا؟ جہاں ایک طرف تلاوتِ قرآن مجید سے گھر مالا مال ہوگا وہیں ہر قسم کی بلائیں اس کے گھر سے دور ہوں گی اور اس کا دل صاف ستھرا ہوکر مثل آئینہ چمکے گا اور اس کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ بھی ہوگا قبر اور میدان حشر کے مصائب وآلام سے نجات پائے گا اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام حاصل کرے گا-

اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہیں کوئی حاجت درکار ہو اور تم مصائب وآلام میں گھر جاؤ تو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے رب کی جانب رجوع لاؤ اور مصائب وآلام سے نجات حاصل کرنے کے لیے نماز اور صبر سے مدد طلب کرو، پروردگار عالم تمہاری ضرور مدد فرمائے گا- کیونکہ وہ وحدہ لاشریک کا وعدہ،، ان اللہ مع الصابرین،، ہے لہٰذا دنیا کے مصائب وآلام سے نجات حاصل کرنے کے لیے قبر وحشر میں کامیابی کی خاطر نماز وہ نسخہ کیمیا ہے جس کا استعمال کرنے والا ہمیشہ کامیاب رہا ہے رہتا ہے اور رہے گا-

تلاوتِ قرآن کے فضائل:

تلاوتِ قرآن مجید کے بارے میں احادیثِ کریمہ میں بہت سی فضیلتیں وارد ہیں- حضرتِ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بروز قیامت صاحب قرآن سے کہا جائے گا:

،، پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا ٹھہر ٹھہر کے پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا پس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری پر پہنچے،، (جامع ترمذی شریف)

اس حدیثِ پاک سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ بروز قیامت جب کہ آدمی ہر طرح سے پریشان ہوگا ایسے وقت میں تلاوتِ قرآن مجید کام آئے گی اور بندے کو کہا جائے گا کہ جنت میں ترقی کے مدارج کو طے کرنے کے لیے تلاوتِ قرآن مجید کرتا جا، ہاں جہاں تو ٹھہر جائے وہی تمہارا آخری مقام ہوگا ایسا نہیں کہ تیزی کے ساتھ بندے کو پڑھنے کا حکم ہوگا بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کو کہا جائے گا-

اتنا ہی نہیں اگر آدمی تلاوتِ قرآن مجید کا عادی ہے تو قبر میں اس کو بھی اس کا فائدہ ملے گا اور قبر کی اس وحشت سے نجات ملنے کے ساتھ ساتھ اس کی قبر وسیع کردی جائے گی اور اس کی قبر میں روشنی کا انتظام بھی ہوگا اور اسے تلاوت کرنے کے لیے قرآن مجید ملے گا- تلاوتِ قرآن مجید کے تعلق سے ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

ایک بزرگ تھے جن کا یہ معمول تھا کہ ہر روز قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے اور بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کرتے تھے کہ مولیٰ تعالیٰ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما اور جس طرح تو نے دنیا میں تلاوتِ قرآن مجید کی توفیق بخشی ہے اسی طرح قبر میں بھی تلاوتِ قرآن کی اجازت مرحمت فرما تاکہ تیرے بندوں کی طرح میں بھی تلاوتِ قرآن مجید کرتا رہوں- چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا لوگوں نے قبر تیار کی جب ان کے جنازے کو قبر میں اتارا گیا اور قبر مکمل کردی گئی تو اچانک ایک کچی اینٹ قبر کے اندر گرگئی اور پروردگار عالم نے اپنے بندے کے مقام ومرتبہ کو واضح کردیا- بیان کیا جاتا ہے کہ اس مجمع میں وقت کے دو عظیم محدث تشریف فرما تھے، ان لوگوں نے جب اس قبر میں جھانک کر دیکھا تو ان کی قبر میں ہلکی روشنی نظر آئی ان کے سامنے سنہرے حرفوں میں لکھا ہوا قرآن مجید اور جسم پر عمدہ ونفیس لباس نظر آیا وہ لباس اس طرح ہل رہا تھا جس طرح دنیا میں تلاوت کرنے والے کے لباس ہلا کرتے ہیں اور وہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے-

راوی کا بیان ہے کہ جب ہم نے قبر میں جھانک کر دیکھا تو انہوں نے اپنے سر کو میری جانب اُٹھایا اور مجھ سے کہا کہ کیا قیامت قائم ہوگئی؟ کیا سب اپنی قبروں سے نکل کر میدان حشر کی جانب جارہے ہیں؟ راوی فرماتے ہیں میں نے کہا نہیں ابھی قیامت قائم نہیں ہوئی تو پھر اس صالح مرد نے کہا تو پھر اینٹ اپنی جگہ پر رکھ دو-

(فضائل تلاوتِ قرآن/صفحہ 51)

درحقیقت قبر میں جو رتبہ ملا وہ تلاوتِ قرآن مجید کی برکت سے ملا- ہمیں چاہئے کہ ہم تلاوتِ قرآن مجید کو ذوق شوق کے ساتھ کریں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرے-

مسواک کرنے کے فوائد:

مسواک کرنے سے اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، وہ نماز جو مسواک کرکے پڑھی جائے اس کا ثواب ننیانوی گنا تک بڑھ جاتا ہے، مسواک کا ہمیشہ کرنا وسعت رزق کا باعث ہے، اور اسباب رزق کی سہولت کا بھی باعث ہے مسواک کرنے سے منہ کی صفائی رہتی ہے، مسواک مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے، مسواک کرنے سے سر کا دردور ہوجاتا ہے، مسواک سر کی رگوں کے لئے بہت مفید ہے، مسواک بلغم کو دور کرتی ہے اور دانتوں کو مضبوط کرتی ہے، مسواک کرنے سے نگاہ تیز ہوتی ہے، مسواک کرنے سے انسان کا معدہ درست رہتا ہے بدن کو طاقت پہنچتی ہے اور فصاحت وبلاغت پیدا کرتی ہے، مسواک یادداشت کو بڑھاتی ہے، اور مسواک کرنا عقل کی زیادتی کا باعث ہے، مسواک کرنے سے دل صاف رہتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور مسواک فرشتوں کو خوش رکھتی ہے، مسواک کرنے سے چہرے کے منور ہوجانے کی وجہ سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں، مسواک کرکے جب بندہ نماز کو جاتا ہے تو فرشتے اس کے ساتھ چلتے ہیں مسجد کی طرف جاتے وقت حاملین عرش فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں، مسواک کرنے والے کو انبیاء وپیغمبر علیہم السلام کی دعاء واستغفار ملتی ہے، مسواک شیطان کو ناراض اور اسے دور کرنے والی ہے، مسواک ذہن کو صاف کرتی ہے، کھانے کو ہضم کرتی ہے، اور کثرت اولاد کا باعث ہے، مسواک کرنے والا پل صراط پر بجلی کی طرح گذر جائے گا، مسواک کرنے والے کو بڑھاپا دیر سے آتا ہے، مسواک کرنے والے کو نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، مسواک انسان کے جسم کو عبادتِ الٰہی پر ابھارتی ہے، اور جسم کی گرمی کو دور کردیتی ہے، مسواک بدن کے درد کو دور کرتی ہے، مسواک کمر یعنی پیٹھ مظبوط کرتی ہے، مسواک کرنے والے کو موت کے وقت مسواک کلمۂ شہادت یاد دلاتی ہے، مسواک کرنے والے کی روح آسانی سے نکلتی ہے، مسواک دانتوں کو سفید کرتی ہے، اور منہ کو خوشگوار بناتی ہے، ذہن کو تیز کرتی ہے، مسواک کرنے سے قبر میں کشادگی ہوتی ہے اور مسواک کرنا قبر میں انس کا باعث ہے، اور اس کو قبر میں مسوک نہ کرنے کے برابر لوگوں کا ثواب ملتا ہے، مسواک کرنے والے کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، فرشتے مسواک کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں، مسواک کرنے والوں پر جہنم کا دروازہ بند کردیا جاتا ہے، مسواک کرنے والا بندہ دنیا سے پاک وصاف ہوکر جاتا ہے، مسواک کرنے والے بندے کے پاس فرشتے موت کے وقت اس طرح آتے ہیں جس طرح اولیاء کرام کے پاس آتے ہیں بعض عبارات میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرح آتے ہیں، مسواک کرنے والے کی روح اس وقت تک دنیا سے نہیں نکلتی جب تک کہ وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے حوض مبارک سے رحیق مختوم کا گھونٹ نہیں پی لیتا، مسواک منہ کی بدبو کو ختم کرتی ہے اور بغل کی بدبو ختم کرتی ہے، جنت کے درجات بلند کرتی ہے، مسواک داڑھ کا درد دور کرتی ہے، مسواک کرنے والا شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے، مسواک بھوک پیدا کرتی ہے، مسواک جسم کی رطوبت ختم کرتی ہے اور مادۂ منویہ گاڑھا کرتی ہے مزید آواز کو خوبصورت کرتی ہے اور زبان کے میل کو دور کرتی ہے، مسواک حلق کو صاف کرتی ہے، مسواک منہ میں خوشبو پیدا ہوتی ہے، درد کو سکون دیتی ہے، مسواک جسم کا رنگ نکھارتی ہے اور چہرے کو بارونق بناتی ہے مسواک کا عادی جس دن مسواک نہ کرے اس دن بھی اسے مسواک کرنے کا اجر لکھا جاتا ہے۔

کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت

iftikharahmadquadri@gmail.com

دین کا پورا مقصد ہی خدمت خلق ہے

خرم مراد

نبی کریمؐ کی پوری دعوت میں شروع سے آخر تک برابر خدمت خلق کا ذکر ہے۔ ایک صحابیؓ عمرو بن عبسہ روایت کرتے ہیں کہ میرا شروع سے بتوں پر ایمان نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ غلط کام ہے۔ پھر میں نے سنا کہ ایک آدمی مکہ میں ایک اور چیز کی دعوت دے رہا ہے، میں نے سواری کا کجاوہ کسا، اس پر بیٹھا اور مکہ پہنچ گیا۔ یہ ایسا زمانہ تھا کہ حضورؐ کا پتا چلنا ہی مشکل تھا۔ میں نے آپؐ کا پتا لیا اور آپؐ سے ملا اور پوچھا: آپ کون ہیں؟

آپؐ نے کہا: میں نبی ہوں۔

میں نے پوچھا: نبی کیا ہوتا ہے؟

آپؐ نے کہا: مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔

میں نے پوچھا: اللہ نے آپ کو کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟ اس پر حضورؐ نے فرمایا: صلة الارحام یعنی قرابت داری کے رشتے قائم کرنے کے لئے، اور بتوں سے بچنے کے لئے، اور ایک اللہ کی بندگی کرنے کے لئے۔

یہاں بھی ترتیب پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آگئی کہ حضورؐ نے اس وقت بھی جو دعوت پیش کی، اللہ کے احکام اور پیغام پیش کیا، اس میں سب سے پہلے صلة الارحام کہا۔ یہ صلہ رحمی (قرابت داری کے رشتے قائم کرنا) بھی خدمت خلق ہے۔ حضرت جعفر طیارؓ سے جب نجاشی نے دربار میں پوچھا کہ تم کو کیا تعلیم دی گئی ہے؟ اس پر انھوں نے کہا کہ ہم پہلے بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے اور ظلم ڈھاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپؐ نے ہمیں دعوت دی۔ اب ہم بیواؤں کی خبرگیری کرتے ہیں، یتیموں کی خدمت کرتے ہیں اور اللہ کی بندگی بھی کرتے ہیں۔ دیکھئے، بین الاقوامی پیمانے پر اسلام کا تعارف ہو رہا ہے لیکن یہاں بھی اللہ کی بندگی اور انسانوں کی خدمت دونوں باتیں ساتھ ساتھ ذکر کی گئی ہیں۔ جب نبی کریمؐ ایک نیا دین، ایک نئی ریاست، ایک نئی تہذیب قائم کرنے کے لئے مدینہ تشریف لائے اور آپؐ نے پہلا خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا: افشو السلام، واطعمو الطعام، وصلوا الناس القیام وادخلو الجنة بالسلام۔ یہاں چار باتیں فرمائی گئی ہیں: پہلی یہ کہ سلام پھیلاؤ، یعنی سلامتی پھیلاؤ، اپنی زبان اور اپنے رویے سے۔ دونوں کو سلامتی کا نمونہ بناؤ۔ یہ بھی خدمت خلق کی ایک صورت ہے۔ دوسری یہ کہ کھانا کھلاؤ، یعنی جو ضرورت مند ہیں، بھوکے ہیں، ان کو کھانا کھلاؤ۔ تیسری یہ کہ جب لوگ سوتے ہوں تو نماز پڑھو، اور چوتھی یہ کہ جنت میں سیدھے سیدھے داخل ہوجاؤ۔ گویا جو نئی تہذیب، نئی ریاست اور نیا معاشرہ بننے والا تھا، اس کو آپؐ نے پہلی ہدایت کے طور پر یہ تین باتیں کہیں، اور جنت کے داخلے کی بشارت بھی ان ہی تین چیزوں کے ساتھ وابستہ کی۔ اس بات سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے بندوں کی خدمت کا کتنا اہم کام ہے جس کو قرآن مجید نے اور اللہ کے نبیؐ نے یہ مقام عطا فرمایا۔

خدمت خلق: مقصد دین

اگر میں یہ کہوں کہ ایک پہلو سے سارے دین کا مقصد ہی خدمت خلق ہے تو میری یہ بات غلط نہیں ہوگی۔ دین کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو جہنم میں گرنے سے بچایا جائے۔ اگر کسی کا گھر جل رہا ہو اور اس کو بچایا جائے تو یہ خدمت خلق ہے، اور اگر موت کے بعد وہ آگ میں گرنے والا ہو اور اس کو بچایا جائے تو کیا یہ خدمت خلق نہیں ہے؟ یقیناً یہ خدمت خلق ہی ہے! دعوت کی تعریف بھی یہی ہے۔

لیکن بات اتنی نہیں ہے بلکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے رسول اس لئے بھیجے اور کتابیں اس لئے اُتاریں، تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوجائیں۔ گویا یہ بھی خدمت خلق ہے۔ لوگوں کو انصاف پر قائم کرنا اور لوگوں کے درمیان انصاف قائم کرنا، فی الواقع اس سے بڑی خدمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہی رسولوں کا مقصد ٹھیرا، یہی کتابوں کے اُتارنے کا مقصد قرار پایا، اور یہی مومنین کی جماعت کا مقصد قرار پائے گا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوجائیں: ''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔'' (الحدید ۲۵:) اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دین کا پورا مقصد ہی خدمت خلق ہے۔

اس کا ذکر ایمان کے ساتھ ساتھ ہی نہیں ہے بلکہ بعض جگہ اس کا ایمان سے پہلے ہی ذکر کردیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ مدثر میں ہے۔ بعض آیات جو بالکل ابتدائی دور کی ہیں ان میں بھی اس کی ہدایت کی گئی ہے، مثلاً: ''جس نے (راہ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا، اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لئے سہولت دیں گے۔'' (الیل ۵ :-۱۰) یعنی جو راہ خدا میں مال دینے والا ہو، لینے والا نہ ہو، اللہ نے جو کچھ اور جتنا دیا ہو اس میں سے خرچ کرنے والا ہو، سائل اور مستحق کی مدد کرنے والا ہو، خدا کی نافرمانی سے بچنے والا، تقویٰ اختیار کرنے والا ہو اور بھلی بات کی تصدیق کرنے والا یعنی ایمان لانے والا ہو، اس کے لئے اللہ جنت کے راستے کو، اس پر چلنے کے راستے کو آسان کردیتے ہیں۔

(جاری)

شخصیت سازی اور تعمیر جہاں تعلیم کا بنیادی مقصد

اسلام تعلیم کے ساتھ ساتھ فرد کی اصلاح وتربیت پر زور دیتا ہے

ڈاکٹر حسن رشید

تعلیم کو مقصدیت سے ہم آہنگ کرنے اور اساتذہ کو معاشرے میں مستحقہ مقام دینے کی ضرورت

اردو میں تعلیم کا لفظ، دو خاص معنوں میں مستعمل ہے ایک اصطلاحی دوسرے غیر اصطلاحی، غیر اصطلاحی مفہوم میں تعلیم کا لفظ واحد اور جمع دونوں صورتوں میں استعمال ہوسکتا ہے اور آدرش، پیغام، درسِ حیات، ارشادات، ہدایات اور نصائح کے معنی دیتا ہے۔ جیسے آنحضرت کی تعلیم یا تعلیمات کے فقروں میں، لیکن اصطلاحی معنوں میں تعلیم یا ایجوکیشن سے وہ شعبہ مراد لیا جاتا ہے جس میں خاص عمر کے بچوں اور نوجوانوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما، تخیلی وتخلیقی قوتوں کی تربیت وتہذیب، سماجی عوامل و محرکات، نظم ونسق مدرسہ، اساتذہ، طریقہ تدریس، نصاب، معیار تعلیم، تاریخ تعلیم، اساتذہ کی تربیت اور اس طرح کے دوسرے موضوعات زیر بحث آتے ہیں۔

تعلیم کا مقصد انسان کو بتانا نہیں بلکہ انسان کو بنانا ہے'' یہ قول زریں اس عظیم خادمِ علم کا ہے جو شہنشاہِ علم کا مرید تھا۔ اس خادمِ علم کو دنیا علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نام سے جانتی ہے جو علامہ شبلی نعمانیؒ کے علمی خلفِ رشید تھے۔ اِس قول میں کئی راز پوشیدہ ہیں جنھیں آج ہم جاننے سے قاصر ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد تعلیم کے مقصد کو بخوبی سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے قدرت نے اُنھیں وہ عروج عطا فرمایا جو آج بھی ہمارے لیے فخر ومسرت کا باعث ہے۔ اسلاف نے تعلیم کو ہمیشہ تربیت سے جوڑے رکھا اور اس رشتے کی مضبوطی نے اُنھیں اندرونی اور بیرونی طور پر استحکام عطا کیا لیکن اِس کلیدی رشتے کو آج ہم نے مجروح کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے۔

جب ہم انسانی نشوونما کے اساسی پہلوؤں کی بات کرتے ہیں تو اکثر ہمارا میلان مادی اور ظاہری ترقی کی جانب ہوتا ہے، جبکہ اس کی روحانی اور باطنی تربیت یکسر نظر انداز کردی جاتی ہے جس کے انتہائی منفی نتائج ہم اپنے معاشرے میں روزانہ دیکھتے ہیں اور اُن پر ہمارا دل کڑھتا رہتا ہے۔

حالانکہ یہی روحانی تربیت علوم کی آبیاری کیلئے اسقدر ضروری تھی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنے انعام کے طور پر ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔۔ بے شک مؤمنین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ احسان عظیم ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو انہیں اس (اللہ) کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں (روحانی تزکیہ جس سے مراد عقائد، اعمال واخلاق کے پیچ ہونے کے لیے قلب کو) پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب (انسان) اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (آل عمران 164 :)

عصر حاضر میں تعلیم کا بلند پایہ مفہوم ہماری تنگ نظری اور جمودی سوچ کے سبب کلیتاً مسخ ہوچکا ہے۔ تعلیم پہلے دنیاوی اور دینوی علوم کے حصول کا نام تھا اور اِن کے درمیان میں کسی تفریق کی گنجائش نہیں تھی۔ اس ضمن میں تاریخ اسلام ثبوت کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے کہ مسلم حکمرانوں نے ہر خطے میں درس گاہیں تعمیر کروائیں جہاں ہر طرح کے علوم بغیر کسی تفریق اور فوقیت کے پڑھائے جاتے تھے۔ علم نجوم، علم ہیئت، ریاضی، فلکیات، جغرافیہ، کیمیا، طب، تاریخ، حدیث وفقہ، قرآن وعلوم تفسیر اور منطق وفلسفہ وغیرہ سب علوم کی مشترکہ تعلیم دی جاتی تھی۔ دنیاوی اور دینوی علوم کے اِس امتزاج نے طلبہ کو اخلاقی اور مادی دونوں لحاظ سے پختہ بنادیا تھا اور اس دور کی مجموعی حالت اسی لیے ہماری موجودہ حالت سے لاکھ درجے بہتر تھی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم آج کثرتِ اساتذہ کے باوجود مجموعی طور پر جمود کا شکار کیوں ہیں؟ سبب یہ تھا کہ ماضی میں اساتذہ اخلاق کا بہترین نمونہ ہوتے تھے جن سے طلبہ گہرا اثر لیتے تھے جبکہ عصر حاضر کے اساتذہ اخلاقی قدروں کی خود پاسداری نہیں کرتے جس سے طلبہ پر منفی اثر پڑتا ہے۔ اُس عہد میں کتاب سے زیادہ استاد سے علم حاصل کیا جاتا تھا، جبکہ آج استاد محض ایک علامتی کردار بن کے رہ گیا ہے۔ اچھے دنوں میں اساتذہ اپنی خوشی سے اور دولت کی خواہش کے بغیر طلبہ کو تعلیم دیتے تھے اور نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا احساس اُن میں ہر لحظہ ایک ایسا جذبہ بیدار کیے رکھتا تھا جس کا دیا کبھی نہیں بجھتا تھا۔ وہ علم کو اللہ سے قربت کا ذریعہ جان کر اس کی بھرپور ترویج کرتے تھے۔ اُن کے نزدیک تعلیمی درس گاہیں محض ایک ٹیکسال کے بجائے اس گلستان کا درجہ رکھتی تھیں جہاں نونہال کلیوں کی دیکھ بھال ایک مقدس فریضے کے طور پر کی جاتی تھی، اور طلبہ کو معاشرہ کی ایک امانت اور مستقبل کے معمار سمجھ کر ان کی کردار سازی کی جاتی تھی، لیکن بدقسمتی سے آج علم پیشہ ورانہ اساتذہ کے ہتھے چڑھ گیا ہے جو تعلیم کو محض ایک کاروبار سمجھتے اور اسے اپنی مادی خواہشات پورا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مسلم حکومتوں میں اساتذہ اور معلمین کو خاطر خواہ مشاہرے ملا کرتے تھے جو انہیں مالی تنگی کا احساس نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنے فرائضِ منصبی پوری دیانت داری اور دلجمعی سے سرانجام دیتے تھے۔ جبکہ عصر حاضر کے اکثر معلمین مالی تنگ دستی کی وجہ سے بے سکونی کا شکار دکھائی دیتے ہیں بلکہ مخلص اور قابل اساتذہ موجودہ معاشرہ میں مظلومیت کی تصویر بنے جعلی ڈگری یافتہ وزیر تعلیم کے رحم وکرم پر پڑے ہیں اور ان کی مراعات سے کوئی اور طبقہ فوائد حاصل کر رہا ہے۔

بحیثیتِ مجموعی یہ معاشرہ استاد کی قدر کھو چکا ہے اور علم کے داعی کی جو تذلیل وتحقیر تعلیمی اداروں میں ہوتی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ ہماری زندگی سے اعلیٰ مقاصد کا نظریہ ختم ہوتا جارہا ہے اور صرف دولت کی ریل پیل ہماری نظروں کو بھاتی ہے۔ ہمیں اپنے اسلاف کے کارناموں کے بارے ہی میں کچھ پتا ہے نہ ہم چاہتے ہیں کہ آنے والے لوگ ہمارے کارناموں کے حوالے سے ہمیں یاد رکھیں۔ ہم عام طور پر مغرب کی تقلید کرتے ہیں مگر وہ ممالک اپنی تاریخ پر فخر محسوس کرتے ہیں جو عظمت سے خالی ہیں۔ ہماری تاریخ جو انسانی تہذیب کی تشکیل اور ارتقا کی عظیم داستانوں سے معمور ہے اس پر ہمیں فخر کرنا اور مستقبل کی تعمیر کا چیلنج قبول کرنا چاہیے۔

مغرب کی غلط باتوں کی تقلید تو ہم بڑے ذوق وشوق سے کرتے ہیں لیکن اصل قابل تقلید باتوں کو ہم نظر انداز کرجاتے ہیں جناب اشفاق احمد مرحوم نے زاویہ میں ''استاد عدالت کے کٹہرے میں ہے'' کا عنوان باندھا ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے جو جواں عمری میں ان کے ساتھ اٹلی میں پیش آیا تھا۔ گاڑی غلط راہ پڑ ڈالنے کے سبب اشفاق صاحب کا چالان ہوا۔ صبح اٹلی کی جامعہ روم میں تدریس فرماتے، سہ پہر ایک ریڈیو میں نشریاتی سرگرمیاں انجام دیتے۔ وقت کی تنگی تھی چالان ادا نہ ہوا۔ عدالت سے دو بار نوٹس بھی موصول ہوا مگر بات نہ بنی۔ مزید تاخیر پر عدالت نے طلب کرلیا۔ اشفاق صاحب پیلس آف دی جسٹس پہنچ گئے۔ جج نے نام پکارا، قدرے تلخی سے کٹہرے میں کھڑا ہونے کو کہا۔ جج نے سوال کیا، آپ کا چالان ہوا، ڈاک خانے میں جمع کروانے کو کہا گیا تھا، نوٹس بھیج کر مہلت بھی دی گئی، مگر چالان نہیں بھرا، آخر کیوں؟ اشفاق صاحب نے کہا، جی مجھے کروانا چاہیے تھا، مگر کوتاہی ہوگئی۔ اشفاق صاحب عذر پیش کرنا چاہتے ہی تھے کہ جج نے سرزنش شروع کردی، کیا آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کی اس کوتاہی کے نتیجے میں کتنا وقت عملے کا ضائع ہوا؟ کتنا وقت پولیس کا اور اب کتنا وقت عدالت کا ضائع ہو رہا ہے؟ آپ کو اس غفلت کی کڑی سزا بھگتنی ہوگی۔

اشفاق صاحب نے کہا، دیکھیے میں ایک پردیسی ہوں، مقامی قانون اور ادب وآداب زیادہ نہیں جانتا، سزا میں رعایت دیں گے تو شکر گزار رہوں گا۔ جج نے کہا، زبان تو آپ ٹھیک بول رہے ہیں، قانون کا آپ کو نہیں پتہ، کرتے کیا ہیں آپ؟ جواب دیا، میں ایک استاد ہوں، یونیورسٹی میں پروفیسر ہوں، کچھ ایسی ہی مصروفیت کے سبب چالان کی ادائیگی ممکن نہ ہوئی۔ اشفاق صاحب کا جملہ ابھی پورا بھی نہ ہو پایا تھا کہ جج کھڑا ہوا اور کہا ''استاد عدالت کے کٹہرے میں ہے''، یہ سنتے ہی باقی کا عملہ بھی کھڑا ہوگیا۔ جج دراصل اپنے سخت لہجے کے لیے معذرت کا اظہار کر رہا تھا۔ احتراماً کرسی فراہم کرنے کو کہا۔ اشفاق صاحب نے کرسی سنبھالی تو جج نے بھی نشست پکڑلی۔ جج نے اب گفتگو شروع کی تو آواز دھیمی اور لہجہ بہت نرم تھا۔ جج نے کہا:

''قابل عزت استاد محترم، یہ ہم نے آپ ہی سے سیکھا ہے کہ قانون کی پاسداری ہونی چاہیے، وقت کی پابندی کرنی چاہیے، قانون کے آگے سب کو برابر ہونا چاہیے۔ آپ اساتذہ کی بدولت ہم یہاں موجود ہیں، آپ کے بتائے ہوئے ضابطوں کو آپ ہی کے فرمان کے مطابق لاگو کرنے کے پابند ہیں۔ آپ کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے عدالت فیصلہ سناتی ہے کہ مسلسل تاخیر کے سبب آپ کو چالان دگنا ادا کرنا ہوگا''۔

ہم مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے سے جدا کرکے بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ مذہب انسان کے اندر پاکیزہ جذبہ اور ایک احساسِ ذمہ داری پیدا کرتا ہے جو طالب علم کو حصولِ علم ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت سے ادا کرنے کی طرف مائل کرتا ہے، جبکہ بیشتر طلبہ کا نظریہ، یہ ہے کہ علوم دولت کمانے کے لیے حاصل کیے جائیں۔ ان کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جاتی ہے کہ تعلیم کا مقصد حصولِ روزگار کے سوا اور کچھ نہیں اور وہ بیچارے مشین کی طرح کام میں جُتے رہتے ہیں۔ ہمارے بڑے بڑے تعلیمی ادارے طلبہ کو چار دیواری کے اندر انسان کے بجائے مشین بنا رہے ہیں۔ ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ اپنی قوم کو مشین بنانا ہے یا تعلیم یافتہ عمدہ انسان۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نئی نسل کے اندر قومی خدمت کا جذبہ مفقود ہے اور ہمارے بہترین اذہان غیروں کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ قربانی کا جذبہ اور میلان بھی کم ہوتا جارہا ہے اور حب الوطنی تو قریب المرگ بلکہ قریب الدفن ہے۔ بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری حکومت تعلیمی نصاب کی بہتری میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہی اور ہمارا اسلامی تشخص بری طرح مجروح ہو رہا ہے۔ دراصل ہمارے اندر سے اعتدال پسندی کا عنصر ناپید ہوتا جارہا ہے۔ مذہبی اور دنیاوی تعلیم کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے سے ہم گھبراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یا تو آپ کو اِس ملک میں قدامت پسند طبقہ مدرسوں میں ملے گا جو جدید تعلیمی تقاضوں سے ناآشنا ہے یا پھر مغرب پرست جدید تعلیم کا علمبردار طبقہ جو دینی تعلیم کی اہمیت سمجھنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ تو دور کی بات بلکہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت متنفر نظر آتا ہے۔

جس دن ہم تربیت اور کردار سازی کو اپنے تعلیمی نظریے میں شامل کرلیں گے اُسی روز سے اِن شاءاللہ ہمارا مقدر تبدیل ہونا شروع ہوجائے گا اور تعلیم کا حقیقی تصور شرمندہ تعبیر ہونا شروع ہو جائے گا۔

٭٭٭